© rasailojaraid.com

اسوۂ ابراہیمی ۔ قرآن کی روشنی میں

محمد رضی الاسلام ندوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار ان انبیاء کرام میں ہوتا ہے جن کا تذکرہ قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ آپ کا ظہور ایک ایسی قوم میں ہوا جو شرک اور مظاہر پرستی میں غرق تھی۔ اس نے سیکڑوں دیوی دیوتا بنا رکھے تھے۔ آپ نے منصب نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اسے توحید کی دعوت دی۔ شرک اور اس کے مظاہر پر زبردست تنقید کی اور غیر اللہ کی بے بسی اور بے بضاعتی کا عملی مظاہرہ بھی کر دکھایا۔ لیکن آپ کی قوم ایمان نہ لائی۔ بالآخر اس پر اتمام حجت کر دینے کے بعد آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور دوسرے علاقوں میں اللہ کی دعوت عام کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد سے نوازا تو اسے لے جا کر ایک "بے آب و گیاہ وادی" میں بسا دیا تاکہ وہ جگہ مستقبل میں توحید کا مرکز بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل میں برکت دی اور آپ کی دعوت بھی خوب پھلی پھولی۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ آج دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، مسیحیت اور اسلام کے ماننے والے آپ ہی سے شرفِ انتساب رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ کی ملت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ وہ یہ کہ قرآن نے آپ کے ذاتی اوصاف بھی نمایاں کئے ہیں اور آپ کی نجی زندگی کو بھی اسوہ بنا کر پیش کیا ہے۔ سورۂ ممتحنہ (آیت ۴) میں ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ　　تم لوگوں کے لئے ابراہیم میں ایک اچھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ الآیہ نمونہ ہے۔

اس مقالہ میں اسی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اور قرآن کی روشنی میں حضرت ابراہیمؑ کے ذاتی اوصاف سے بحث کی گئی ہے۔

ا۔ شرک سے بے زاری (حنیفیت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا سب سے نمایاں اور امتیازی وصف ان کا شرک و بت پرستی سے برات، بے زاری اور نفرت اور خدائے واحد پر ایمان ہے۔ ان کی پیدائش اور پرورش ایک ایسی قوم میں ہوئی جس میں بت پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی۔ سیکڑوں دیوی دیوتاؤں کو خدائی میں شریک کر لیا گیا تھا اور ان کے سامنے جبینِ نیاز خم کی جاتی تھی۔ ان کا باپ نہ صرف بت پرست بلکہ بت ساز بھی تھا۔ اور اسے سوسائٹی میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو انھیں اس ماحول میں سخت گھٹن محسوس ہوئی۔ ان کی فطرت نے انھیں توحید تک رہنمائی کی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں منصبِ نبوت سے سرفراز کیا تو انھوں نے اپنے باپ اور قوم کو راہِ ہدایت کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ شرک سے اپنی بے زاری اور برات کا بھی اعلان کر دیا:

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ٭ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ٭ (الانعام: ۷۸-۷۹)	اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بے زار ہوں جنھیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ان کی قوم بحث و مجادلہ کے درپے ہوئی تو اس کی بھی انھوں نے مطلق پرواہ نہ کی اور اس سے دو ٹوک انداز میں کہہ دیا:

اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ	کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ (الانعام: ۸۰)

جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھادی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ حال نبوت کے بعد ہی کا نہ تھا بلکہ وہ اپنی ابتدائی زندگی ہی سے فطرتِ سلیم پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں رشد و ہدایت کے جادۂ مستقیم پر قائم رکھا تھا۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (الانبیاء: ۵۱)

اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔

اس آیت میں 'رشد' سے اگرچہ بعض مفسرین نے نبوت مراد لی ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب ہدایت، معرفتِ الٰہی، ہوشمندی اور راست روی ہے۔ 'مِنْ قَبْلُ' کی بھی دو[1] توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد ہے حضرت موسیٰؑ سے پہلے، جن کا تذکرہ ماقبل آیات میں موجود ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے ابتدائی عمر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بچپن ہی سے رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ پہلی توجیہ حضرت ابن عباسؓ سے اور دوسری ان کے شاگرد حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے[2]۔ مفسرین میں سے ابن جریر طبریؒ نے پہلی اور ابن کثیرؒ نے دوسری توجیہ کو اختیار کیا ہے[3]۔ بعد کے مفسرین نے ان دونوں توجیہوں کو نقل کر دیا ہے یا ان میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے[4]۔ اس کی بعض اور توجیہیں بھی کی گئی ہیں[5]۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس امتیازی وصف کو نمایاں کرنے کے لئے، قرآن نے متعدد تعبیریں اختیار کی ہیں۔ سورہ صافات میں ہے:

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الصافات: ۸۳-۸۴)

اور اس کے (یعنی حضرت نوحؑ کے) طریقے پر چلنے والا ابراہیم تھا جب وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔

مذکورہ آیت میں حضرت ابراہیمؑ کو 'پاکیزہ دل' کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا عام مفہوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراد لیا ہے۔ یعنی ایسا دل جو تمام اعتقادی و اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو۔ اس کی دلیل انھوں نے یہ دی ہے کہ یہاں یہ لفظ مطلق آیا ہے اس لئے اسے کسی ایک معنی کے لئے خاص کرنا مناسب نہیں ہے[۷] جب کہ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ہے شرک کی آلودگی سے پاک دل۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مابعد آیات میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے شرک میں مبتلا ہونے پر ان کی مذمت کی ہے[۸] ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، حسنؒ، سدیؒ وغیرہ سے بھی یہی تاویل مروی ہے[۹]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حق پرستی اور شرک سے بے زاری کو نمایاں کرنے کے لئے قرآن نے ایک لفظ 'حنیف' کا استعمال کیا ہے۔ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر ایک، باوجود اپنی تمام گمراہیوں اور صریح شرک کے، دعویٰ کرتا تھا کہ صرف وہی حضرت ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہے۔ اس کے جواب میں ان سے کہا گیا:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا	ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ
نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا	تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں
مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝	میں سے نہ تھا۔

(آل عمران: ۶۷)

لفظ 'حنیف' کا مادہ 'حنف' ہے۔ لغت میں اس کے اصل معنی کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں ماہرین لغت سے دو اقوال منقول ہیں: ایک یہ کہ اس کے معنی مائل ہونے اور جھکنے کے ہیں۔ عربی زبان میں احنف اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دونوں پیر مڑے ہوئے ہوں۔ اس اعتبار سے حنیف کے معنی ہوں گے وہ شخص جو ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کے دین کی طرف مائل ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حنف کے معنی سیدھا ہونے کے ہیں۔ عربی زبان میں لنگڑے کے لئے احنف کا لفظ اچھے شگون کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے متعدد الفاظ ہیں جنھیں برعکس مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو کوئی موذی کیڑا، سانپ بچھو وغیرہ کاٹ لے اسے سلیم (لفظی معنی نجات پانے والا) اور کھائی کو مفازہ (لفظی معنی جائے نجات) کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے حنیف اس شخص کو کہا جائے گا جو ٹھیک ٹھیک اللہ کے دین پر قائم ہو اس سے سرمو بھی انحراف نہ کرے[۹]

بہر حال ان میں سے جو معنی بھی اختیار کئے جائیں، قرآن کی اصطلاح میں حنیف سے مراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ شخص ہے جو شرک سے بالقصد اعراض کرکے اور اسے علیٰ وجہ البصیرۃ ترک کرکے حق کی طرف رجوع ہو۔ اس طور پر کہ اسے کوئی چیز حق قبول کرنے سے باز نہ رکھ سکے۔ یہ لفظ قرآن میں دس مقامات پر آیا ہے ان میں سے آٹھ مقامات پر اس کا استعمال حضرت ابراہیم کے لئے ہوا ہے اور ایک جگہ کے علاوہ سب جگہوں پر اس کے بعد "وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" یا اس جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال شرک کے بالمقابل ہوا ہے۔

۲۔ کامل اطاعت الٰہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی نگاہوں کے سامنے ہو تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے پورے طور پر خود کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا تھا۔ اور اس کے ارشادات واحکام پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے انھیں وطن میں رہ کر دعوت کا مشن جاری رکھنے کا حکم دیا، وہ سخت سے سخت حالات کی پرواہ کئے بغیر اس فریضہ کو سر انجام دیتے رہے۔ ان کی قوم نے آبائی دین کی توہین کے جرم میں آگ میں ڈال دیا تو اس موقع پر بھی انھوں نے بے مثال استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے گھر بار، خاندان اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کرنے کا حکم دیا تو اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اولاد سے نوازا جو مستقبل کا سہارا اور امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز تھا۔ مگر جب اسے اپنی ماں کے ساتھ بے آب و گیاہ وادی میں لا بسانے کا حکم دیا تو اس پر عمل کرنے میں بھی ذرا پس و پیش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ پھر جب اس دشت غربت میں اس اکلوتے اور محبوب فرزند کی گردن پر چھری پھیر دینے کا اشارہ ملا تو اس پر عمل کرنے کے لئے بھی اپنی آستینیں چڑھا لیں۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت، خود سپردگی اور نفس کو مرضیٔ مولا کے تابع کر دینے کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

قرآن نے اسی چیز کو لفظ "اسلام" سے تعبیر کیا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ ۱۳۱)	اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا میں مالک کائنات کا "مسلم" ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے لفظی معنی اطاعت و فرماں برداری، خضوع، خود سپردگی اور اخلاص کے ہیں۔ مسلمان کو مسلم، اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی اطاعت کے لئے ہمہ تن آمادہ رہتا ہے[۱۰] زید بن عمرو بن نفیل، جن کا شمار عہد جاہلیت کے حنفاء میں ہوتا ہے، ان کے دو اشعار یہ ہیں:

وَاَسْلَمْتُ وَجْهِیْ لِمَنْ اَسْلَمَتْ   لَهُ الْاَرْضُ تَحْمِلُ صَخْرًا ثِقَالًا
وَاَسْلَمْتُ وَجْهِیْ لِمَنْ اَسْلَمَتْ   لَهُ الْمُزْنُ تَحْمِلُ عَذْبًا زُلَالًا[۱۱]

(ترجمہ: میں نے اس ذات باری کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا ہے جس کے حکم پر زمین بھاری چٹانوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور بادل میٹھا پانی لے کر اِدھر اُدھر جاتے ہیں۔)

مذکورہ بالا آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی زبانِ مبارک سے اظہارِ اطاعت کا بیان ہے۔ مگر آیت کو اسی محدود معنی تک رکھنا صحیح نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہ صرف زبان قال سے فرمانبرداری کا اظہار کیا بلکہ زندگی کے ہر ہر لمحے میں زبان حال سے اس کا ثبوت بھی فراہم کیا۔ راغب اصفہانی نے لکھا:

"اسلام، کے لئے محض زبانی اعتراف کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ دل میں وہی بات ہو جس کا زبان سے اظہار کیا جا رہا ہے، عمل سے بھی اس کی تصدیق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلے کر دئے ہیں اور جو چیزیں مقدر کر دی ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے سلسلہ میں مذکور ہے[۱۲]"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعتِ الٰہی کا نقطۂ عروج ہمیں واقعۂ ذبح میں نظر آتا ہے۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیٹے کو ذبح کرنے کا اشارہ پا کر وہ فوراً اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بیٹے سے اس خواب کا ذکر کیا تو اس نے بھی احکام الٰہی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز خم کر دی۔ دونوں کی اس کیفیت کو قرآن نے لفظ 'اسلام' سے تعبیر کیا ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَ	آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا
نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ	اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا
صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ	اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم تو نے
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝	خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ (الصافات: ۱۰۳-۱۰۵)

بائبل میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی اللہ کی اطاعت اور رضا طلبی کا بارہا تذکرہ آیا ہے:

خُداوند نے ابرہام سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا، جو میں تجھے دکھاؤں گا ------

سو ابرام خدا کے کہنے کے مطابق چل پڑا[۱۴]

"خداوند فرماتا ہے چونکہ تو نے یہ کام کیا کہ اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ رکھا اس لئے میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر دوں گا ------- کیونکہ تو نے میری بات مانی۔"[۱۵]

(یسوع ـــ حضرت عیسیٰؑ ـــ نے کاہنوں سے کہا) "میں تمہارے خلاف پکار کر کہتا ہوں کہ تم شیطان کی اولاد ہو نہ کہ ابرہام کی جس نے خدا کی محبت میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گیا۔"[۱۶]

"خدا کے کہنے کے مطابق" "تو نے میری بات مانی" "خدا کی محبت میں" جیسے الفاظ سے حضرت ابراہیمؑ کی کامل اطاعتِ الٰہی اور مرضئ رب کے آگے خود سپردگی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے جذبۂ اطاعت اور مکمل فرمانبرداری پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی مہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم: ۳۷) اور ابراہیم جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔

دوسری جگہ ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل: ۱۲۰)

واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا۔ اللہ کا مطیع فرمان اور یک سو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا۔

قنوت کے معنی اطاعت گزاری اور تابع داری کے ہیں۔ حضرات صحابہؓ میں سے ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور حضرات تابعین میں سے مجاہدؒ اور قتادہؒ نے قانت کی تشریح 'مطیع' سے کی ہے[۱۷]۔ راغب اصفہانی نے لکھا ہے: "خضوع کے ساتھ اطاعت کرنے کو قنوت کہتے ہیں"[۱۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں لفظ 'اُمّۃ' کے کیا معنی ہیں؟ اس سلسلہ میں اہل تفسیر سے مختلف اقوال مروی ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ امت سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کو اچھائی کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: لفظ اُمّۃ اپنے معروف معنی میں ہے۔ اپنے عہد میں حضرت ابراہیم تنہا مومن تھے۔ بقیہ تمام لوگ کافر تھے اس بنا پر انھیں تن تنہا ایک امت قرار دیا گیا۔

حضرت قتادہؒ کے نزدیک اس کے معنی امام کے ہیں[۱۵]

متاخرین میں مولانا فراہیؒ نے امۃ کو 'اطاعت گذار' کے معنی میں لیا ہے اور اس معنی کی تعیین میں بعض جاہلی اشعار سے استشہاد کیا ہے[۱۶]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی وفاداری، بے کم و کاست اطاعت اور خود سپردگی کا صلہ یہ دیا کہ انھیں رہتی دنیا تک کے لئے امام بنا دیا۔ قرآن کہتا ہے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ	یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب
فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ	نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب
لِلنَّاسِ إِمَامًا	میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا: "میں
(البقرۃ: ۱۲۴)	تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"

اس آیت میں "کلمات" سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں متعدد اقوال مروی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ "کلمات سے مراد شرائع، اوامر اور نواہی ہیں۔ اور ان کو پورا کر دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں جس چیز کی بھی ہدایت کی گئی، جس کام کا بھی حکم دیا گیا اور جس بات سے بھی روکا گیا انھوں نے ٹھیک ٹھیک اس کے مطابق عمل کیا اور اچھے طریقے سے سرانجام دیا۔ ان کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کی نہ کسی سستی کا مظاہرہ کیا۔ اسی معنی میں سورۃ النجم کی آیت ۳۷ "وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ" ہے یعنی انھیں جو حکم بھی دیا گیا، اس کی انھوں نے ٹھیک ٹھیک بجا آوری کی۔ عبادت کے کسی موقع پر کوئی چیز ان کی راہ میں حارج نہ ہو پاتی تھی"[۱۷]

منصبِ امامت سے سرفراز کیے جانے کے بعد بھی ان کی اطاعت و فرماں برداری میں ادنیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سا فرق نہیں آیا۔ بلکہ وہ ہمہ وقت اپنے تمام کاموں، آرزوؤں، دعاؤں اور حرکات وسکنات میں مرضیٔ رب کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ جب امامت کی بشارت پاکر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یہ شرف آئندہ ان کی نسل کو بھی حاصل رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں واضح کر دیا کہ جو لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر ظلم کا ارتکاب کریں گے اس عہد کا ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا (البقرہ: ۱۲۵) تو اس فیصلہ الٰہی کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ذہن میں اس حد تک مستحضر رکھا کہ جب انھوں نے مکہ کے باشندوں کے لئے غذائی ضروریات کی فراوانی کی دعا کی تو پہلے ہی صراحت کر دی کہ میری یہ دعا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ اور روز آخر پر ایمان لائیں (البقرہ: ۱۲۶) اس سے حضرت ابراہیمؑ کے بلند مرتبۂ تسلیم و رضا کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انھیں اشارہ بھی مل گیا کہ فلاں سمت میں رب کی رضا ہے تو فوراً ادھر چل پڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وضاحت کر دی کہ امامت پر معیشتِ دنیا کے معاملات کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ ایمان کی تخصیص صرف امامت کے معاملے میں ہے۔ جہاں تک روزی کا سوال ہے اس سے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور کافروں دونوں کو نوازتا ہے (البقرہ: ۱۲۶)[۲۲]

۳۔ استغفار وانابت:

اللہ تعالیٰ سے اس درجہ قربت رکھنے اور اس کے ایک ایک اشارہ کی فوراً تعمیل کرنے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کو ہمہ وقت احساس رہتا تھا کہ کہیں ان سے فرائض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ ہوگئی ہو۔ یہ احساس انھیں توبہ و استغفار اور رجوع وانابت پر آمادہ کرتا تھا۔ یہ ایک اعلیٰ ترین صفت ہے جو کسی مومن بندے میں پیدا ہوسکتی ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیم کا ایک یہ وصف بھی بیان کیا گیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ	حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔
(ھود: ۷۵)	

لفظ 'منیب' نوب سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں کسی چیز کا بار بار پلٹنا۔ شہد کی مکھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے عربی زبان میں ایک لفظ 'نوب' بھی آتا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ بار بار اپنے چھتے کی طرف پلٹ کر آتی ہے۔ اللہ کی طرف انابت کا مطلب ہے توبہ واستغفار کے ذریعے اس کی طرف رجوع ہونا اور اخلاص کے ساتھ اس کے حکموں کو بجالانا۔[۲۳]

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے احسانات گنائے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس سے اپنی مغفرت کی توقع ہے:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (الشعراء: ۸۲)	اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا۔

وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے والدین اور تمام اہلِ ایمان کے لئے بھی مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے تھے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراھیم: ۳۸)	پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجیو جب کہ حساب قائم ہوگا۔

اس اعلیٰ ترین صفت کا پرتو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والوں پر بھی پڑا تھا چنانچہ ان کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبینِ نیاز خم کرتے، اس کی طرف رجوع ہوتے، اس سے مدد چاہتے اور اپنے گناہوں اور لغزشوں پر اس سے مغفرت طلب کرتے تھے۔ ان کی دعا یہ ہوتی تھی:

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (الممتحنہ: ۴)	اے ہمارے رب: تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کر لیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنادے۔ اور اے ہمارے رب ہمارے قصوروں سے درگذر فرما۔

© rasailojaraid.com

بے شک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔

۴۔ شکر

اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا احساس بندے میں شکر کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اور اس میں مزید تذلل، خشوع و خضوع اور اطاعت و فرمانبرداری پروان چڑھتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اندر یہ صفت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ ان کا دل اپنے رب کی نعمتوں پر تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز رہتا تھا۔ جس کا اظہار ان کی زبان سے بھی ہوتا تھا۔ قرآن کہتا ہے:

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ (النحل: ۱۲۱) اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔

انعُم، جمع قلت کا صیغہ ہے۔ اس سے یہ لطیف اشارہ مقصود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت بھی اللہ کے شکر گذار تھے جب وہ ابھی زیادہ انعاماتِ الٰہی سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے۔[۲۴] اگر کسی شخص پر انعام و اکرام کی بارش ہو جائے تب وہ اپنے محسن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو۔ اس میں کوئی ندرت نہیں ہے۔ قابلِ تعریف تو وہ شخص ہے جو معمولی احسان کو بھی مانے اور قلیل نعمتوں پر بھی شکر گذار ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم آبا و اجداد کی تقلید میں بتوں کو پوجتی تھی۔ انھوں نے اس کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی۔ اس موقع پر انھوں نے اپنی مثال دی کہ میں تو اس رب العالمین کی پرستش کرتا ہوں جس نے مجھ پر نت نئے احسانات کئے ہیں۔ ان احسانات کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿﴾	میرے تو یہ سب دشمن ہیں۔ بجز ایک
الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿﴾	رب العالمین کے۔ جس نے مجھے پیدا کیا
وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿﴾	پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿﴾	کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب بیمار ہو جاتا
وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿﴾	ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے
وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ	موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی
خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿﴾	بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الشعراء: ۷۷تا۸۲) کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا۔

انھوں نے قوم کو بھی متوجہ کیا کہ جو اسبابِ زندگی تمھیں حاصل ہیں وہ ان کی طرف سے نہیں ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو بلکہ ان سے تمھیں اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے۔ اس لیے اسی کا شکر ادا کرو اور صرف اسی کی عبادت بجالاؤ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (العنکبوت: ۱۷)	درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمھیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

اپنے وطن سے ہجرت کرنے کے وقت تک حضرت ابراہیمؑ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کے یہاں کوئی بچہ ہو جو ان کے کاموں میں مددگار، بڑھاپے کا سہارا اور ان کی دعوت کو جاری رکھنے والا ہو۔ انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دئے (الصافات: ۱۰۰) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور انھیں دو اولادیں عطا کیں۔ حضرت ہاجرہ سے اسماعیلؑ اور حضرت سارہ سے اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ دعا کی مقبولیت پر حضرت ابراہیمؑ کا دل جذبۂ تشکر سے بھر گیا جس کا اظہار ان کی زبان مبارک سے یوں ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراھیم: ۳۹)	شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی وادی میں لا بسایا تھا۔ اس وقت وہ جگہ بالکل غیر آباد تھی۔ سنگلاخ زمین کی وجہ سے سبزہ اگتا تھا نہ پیداوار ہوتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس ویرانے کو آباد کر دے اور وہاں کے باشندوں کے لئے اسبابِ معاش کی فراوانی کر دے:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي	پروردگار میں نے ایک بے آب وگیاہ
بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ	وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو
الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ	تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔
فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ	پروردگار یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ
تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم	لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں
مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ	کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں
(ابراھیم: ۳۷)	کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ شکر گذار بنیں۔

آیت کے آخر میں لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ کے جو الفاظ آئے ہیں وہ نہایت معنی خیز ہیں۔ یعنی میں ان کے لئے جو سکون کی زندگی SETTLED LIFE کا طالب ہوں تو اس لئے نہیں کہ ان کے لئے سامان عیش کی فراوانی چاہتا ہوں بلکہ صرف اس لئے اس کا طالب ہوں کہ وہ اپنے مشن کے لئے یکسو رہ کر زیادہ سے زیادہ تیری شکر گذاری کا حق ادا کر سکیں۔[۲۵]

۵۔ دعا

دعا اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا ایک ذریعہ بھی ہے اور بندے اور اس کے رب کے درمیان قربت جانچنے کا ایک پیمانہ بھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندے کی جانب سے اپنے عجز و درماندگی، بے چارگی و محتاجی اور عبدیت کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ، شانِ بے نیازی اور معبودیت کا اعتراف بھی۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے[۲۶]۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں یہ پہلو ہمیں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ توحید کی صدا بلند کرنے کے بعد اپنے باپ اور قوم کی جانب سے انھیں بہت سی تکلیفیں اٹھانی پڑیں مگر انھوں نے ان کے حق میں دعائے خیر ہی کی۔ بالآخر جب انھیں ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو اس وقت بھی انھوں نے یہی فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْ رَبِّیْ عَسٰۤی اَنْ لَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا (مریم: ۴۸)

میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنھیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا۔

ہجرت کرنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے لئے برابر دعائے خیر کرتے رہے۔ اور اس سے اس وقت تک نہ رکے جب تک کہ واضح نہ ہو گیا کہ اسے ہدایت کی توفیق نہیں ملی۔ یہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ (التوبۃ: ۱۱۴)

حق یہ ہے کہ ابراہیم بڑا رقیق القلب وخدا ترس اور بردبار آدمی تھا۔

اسی طرح جب "مہمان" بن کر آنے والے فرشتوں نے انھیں خبر دی کہ وہ قوم لوط کو ــــــ جس کی نافرمانیاں اور سرکشیاں حد سے تجاوز کر گئی ہیں۔ ہلاک کرنے آئے ہیں۔ تو اس موقع پر بھی حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دئے اور عرض کیا کہ اگر اس بستی میں ابھی کچھ صالح لوگ ہوں تو ان کی بدولت ابھی اس قوم کو کچھ اور مہلتِ عمل دے دے۔ اس سیاق میں قرآن کہتا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ (ھود: ۷۵)

حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں ایک لفظ "اوّاہ" آیا ہے۔ اس کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن شدادؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا: اے اللہ کے رسول 'اوّاہ' کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا: 'خشوع اختیار کرنے اور تضرع کرنے والا'۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ[۵۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات زر بن حُبیش اور ابو عبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ 'اواہ' کے معنی کثرت سے دعا کرنے والے کے ہیں۔[۴۸]

اہلِ تفسیر نے اس کے دیگر معانی بھی بیان کئے ہیں لیکن علامہ طبری نے اسی معنی (یعنی دعا) کو ترجیح دی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ سورۂ توبہ کی درج بالا آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے اپنے باپ کے لئے دعا و استغفار کرنے کے وعدے کا ذکر ہے۔[۴۹]

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف مواقع کی دعائیں نقل ہوئی ہیں۔ ان کے مطالعے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم تضرع اور عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ اس کے سامنے اپنی ضروریات رکھتے تھے۔ اپنی آرزوئیں اور تمنائیں بیان کرتے تھے۔ اس سے مغفرت طلب کرتے تھے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی دعا کرتے تھے۔ ان دعاؤں کو سطورِ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (البقرۃ: ۲۶۰)
میرے مالک مجھے دکھادے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔

قرآن میں جس جگہ یہ دعا مذکور ہے وہاں آگے ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے سوال کیا کہ کیا اس بات پر تمہارا ایمان نہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا: ایمان تو ہے البتہ چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور احیائے موتی کی کیفیت کا مشاہدہ کرایا۔

۲۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (الصافات: ۱۰۰)
اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔

یہ دعا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت کی تھی۔ اس وقت تک وہ لاولد تھے۔ اس کی قبولیت کے نتیجے میں پہلے ان کے یہاں حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی۔ پھر حضرت اسحاقؑ کی۔

۳۔ رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّیْ
اے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھکو صالحوں کے ساتھ ملا اور بعد کے آنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝
وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ
النَّعِيْمِ ۝ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ
كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِيْ
يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ
مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى
اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝
(الشعراء: ۸۳-۸۹)

والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔ اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔ اور میرے باپ کو معاف کر دے کہ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جب کہ سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا بھی ہجرت کے موقع کی ہے۔ اس میں 'حکم' سے مراد علم، حکمت، فہم اور صحیح قوتِ فیصلہ ہے۔ اور 'سچی ناموری' (لسان صدق) طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بعد کی نسلیں مجھے خیر کے ساتھ یاد کریں اور میری زندگی رہتی دنیا تک خلقِ خدا کے لئے روشنی کا مینار بنی رہے۔

۴۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا
وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
(البقرۃ: ۱۲۶)

اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔

۵۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَ
اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے۔ تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرماں) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے در گزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(البقرہ: ۱۲۷-۱۲۹)

فرمانے والا ہے۔ اور اے رب ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

مذکورہ دونوں دعائیں خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ مل کر خالص اس کی عبادت کے لئے ایک گھر بنایا۔ اس موقع پر اپنی نسل اور اپنی دعوت پر ایمان لانے والوں کی مادی اور روحانی بھلائی کے لئے بھی دعا کی۔

۶- رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

پروردگار اس شہر (یعنی مکہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے ممکن ہے میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کردیں۔ لہٰذا (ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگذر کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگار میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا
نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ
الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ
الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا
وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ
يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

(ابراھیم: ۳۳-۴۱)

لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ شکر گذار بنیں۔ پروردگار تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔ اے میرے پروردگار مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں) پروردگار میری دعا قبول کر۔ پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کیجیو جب کہ حساب قائم ہوگا۔

مضمون آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب مکہ آباد ہوچکا تھا۔ اسحاق پیدا ہوچکے تھے۔ اور حضرت ابراہیم پر اپنے باپ کے 'دشمنِ خدا' ہونے کا انکشاف نہیں ہوا تھا[۱۳]

ان دعاؤں کے مضامین پر غور کیا جائے تو ان سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مومن کو اپنے رب سے کیسی دعائیں مانگنی چاہئیں ؟ ان میں علم وحکمت، فہم وفراست، اور دانش مندی کی طلب ہے۔ اپنے گناہوں پر مغفرت کی استدعا ہے۔ آخرت میں ناکامی اور رسوائی سے بچانے کی التجا ہے۔ صالح جانشین کی خواہش کا اظہار ہے۔ اور مادی اور روحانی بھلائیوں کی آرزو ہے۔ اگر مادی آسائش بھی طلب کی گئی ہے تو محض اس لیے کہ اس کے ذریعے شکر گذاری کا جذبہ پیدا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دعاؤں کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ ان سے دعا کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب معلوم ہوتے ہیں۔ مفسرین نے ان میں سے بعض آداب کی طرف اشارہ کیا ہے:

۱۔ سورۂ شعراء آیات: ۸۳-۸۹ میں حضرت ابراہیمؑ کی جو دعا مذکور ہے اس سے پہلے انھوں نے تفصیل سے وہ احسانات گنائے ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں دستِ طلب دراز کرتے وقت اس کے احسانات، اس کی بے پایاں نوازشوں اور کرم فرمائیوں کا واسطہ دینا چاہیے اور ان کے وسیلے سے دعا کرنی چاہیے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"ان آیات میں پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی ثنا، بیان کی پھر اس سے دعا کی اور اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ دُعا سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، بیان کرنا اہمیت رکھتا ہے"[۳۲]

۲۔ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے وقت بار بار "رَبِّ" (اے میرے رب) یا "رَبَّنَا" (اے ہمارے رب) فرماتے ہیں۔ اس طرح رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف منعطف کراتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا میں ایسے الفاظ استعمال کرنا پسندیدہ ہے۔ سورہ ابراہیم آیات: ۳۴-۴۱ کے ذیل میں مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

"اس دعا میں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ سات[۳۳] مرتبہ 'رَبِّ' یا 'رَبَّنَا' کا لفظ آیا ہے۔ یوں بظاہر تو یہ ایک تکرار ہی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ چیز دعا کی خصوصیات بلکہ اس کے لوازم میں سے ہے۔ دعا کا اصل مزاج تضرع، استمالت، استغاثہ اور التجا و فریاد ہے۔ یہ چیز مقتضی ہوتی ہے کہ جس سے دعا کی جا رہی ہے اس کو بار بار متوجہ کیا جائے۔ جب بندہ خدا کو ربِّ سے خطاب کرتا ہے تو وہ گویا اس لطفِ خاص کو اپنی دعا کے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا تجربہ اسے خود ہے اور جب اس کو رَبَّنا سے خطاب کرتا ہے تو وہ اس کے اس کرمِ عام کو اپنی دعا کے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا مشاہدہ تمام خلق میں ہو رہا ہے"[۳۴]

۳۔ دعا کا ایک ادب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کی دعا مانگی جائے اس کے مناسب صفاتِ الٰہی کا استدلال کیا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی

© rasailojaraid.com

فرماتے ہیں "میرا رب ضرور دعا سنتا ہے" اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں پر معافی مانگتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی عرض کرتے ہیں "تو بڑا معاف کرنے والا ہے" مولانا امین احسن اصلاحی نے اس پہلو کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

"دعا کے بیچ بیچ میں بار بار رَبَّنَا کا اعادہ اور دعا کے مناسب صفاتِ الٰہی کا حوالہ دعا کے آداب میں سے ہے۔ اس سے دعا شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہے۔ یہ دعا ان دونوں چیزوں کے حکیمانہ استعمال کی بہترین مثال ہے"[۳۵]

۴۔ حضرت ابراہیم جب دعا کرتے ہیں تو صرف اپنی ذات کو پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ اپنے والدین اپنی نسل اور تمام اہلِ ایمان کی بھلائی کے بھی خواہاں رہتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل کو بھی مادی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ ور کردے۔ اس سے دعا کا ایک ادب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنے ساتھ اپنے والدین اور اپنی نسل کی بھلائی کے لئے بھی دعا کرنی چاہیئے، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

"ہر دعا کرنے والے کو چاہیئے کہ اپنے لئے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے لئے بھی دعا کرے"[۳۶]

۶۔ عبادت گذاری

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب زندگی کے ہر معاملہ میں مرضیٔ رب کو پیشِ نظر رکھتے تھے اور اس کی اطاعت کی طرف سبقت کرتے تھے تو ظاہر ہے کہ عبادات کے معاملہ میں بھی وہ عالی مقام پر فائز ہوں گے۔ قرآن نے ان کی عبادت گذاری کا باندازِ تحسین تذکرہ کیا ہے۔ سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ پر اپنے احسانات و انعامات گنا تا ہے کہ ہم نے اسے اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے۔ ان سب کو صالح بنایا اور انھیں امامت کے منصب پر فائز کیا (آیت: ۷۲) پھر فرماتا ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ	اور ہم نے انھیں وحی کے ذریعے نیک
وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ	کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ
وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ	[illegible] کی اور وہ ہمارے عبادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذار تھے۔ (الانبیاء: ۷۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کو دیگر نیک کاموں کے ساتھ خاص طور پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا جسے وہ ٹھیک ٹھیک بجا لائے۔ عبادت گذاری کا اس سے بلند مقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود معبود اس کی شہادت دے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل کو بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا تو اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہاں وہ اور ان کی نسل پر سکون زندگی گذارتے ہوئے خدائے واحد کی عبادت کریں (ابراہیم: ۳۷) حضرت ابراہیمؑ اپنے رب سے اس کی توفیق کی دعا بھی مانگا کرتے تھے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ پروردگار مجھے نماز قائم کرنے والا بنا
وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں)۔ (ابراہیم: ۴۰)

"بائبل میں بعض مواقع پر "سرنگوں ہونے" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے مثلاً:

"خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدای قادر ہوں۔ تو میرے حضور چل اور کامل ہو اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد باندھوں گا اور تجھے بہت زیادہ بڑھاؤں گا۔ تب ابرام سرنگوں ہو گیا۔"[۳۷]

"اور خدا نے ابرام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے اس کو ساری نہ پکارنا۔ اس کا نام سارہ ہو گا اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا اور قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابرام سرنگوں ہوا۔"[۳۸]

عین ممکن ہے کہ "سرنگوں ہونے" کی تعبیر نماز ہی کے لئے اختیار کی گئی ہو۔

خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھاتے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا "وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا" (البقرۃ: ۱۲۸) اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے [illegible] لوگوں میں بھی

© rasailojaraid.com

اس کا اعلان عام کر دیں (الحج: ۲۷)

۷۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سیرت ابراہیمی کا ایک درخشاں باب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو بت پرستی کا بازار گرم پایا۔ خود ان کا گھر بت پرستی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ان کا باپ نہ صرف بُت تراشتا تھا۔ بلکہ وہ پروہت کے منصب پر بھی فائز تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی فطرتِ سلیم سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ مٹی پتھر کے یہ بت اس قابل نہیں کہ ان کے آگے جبینِ نیاز خم کی جائے۔ پھر جب انھیں بارگاہِ الٰہی سے "علم یقینی" حاصل ہوا اور گمراہ انسانوں کو سیدھی راہ دکھانے کا حکم ملا تو سب سے پہلے انھوں نے اپنے باپ کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا۔ انھوں نے اس کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی دل سوزی، محبت اور اپنائیت کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ فرمایا:

یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا	ابا جان آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت
یَسۡمَعُ وَ لَا یُبۡصِرُ وَ لَا یُغۡنِیۡ	کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور
عَنۡكَ شَیۡـًٔا ۝ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ	نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ ابا جان
قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ	میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے
یَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِیۡۤ اَهۡدِكَ	پاس نہیں آیا۔ آپ میرے پیچھے چلیں میں
صِرَاطًا سَوِیًّا ۝ یٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ	آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان
الشَّیۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ كَانَ	آپ شیطان کی بندگی نہ کریں شیطان تو
لِلرَّحۡمٰنِ عَصِیًّا ۝ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡۤ	رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان مجھے ڈر ہے
اَخَافُ اَنۡ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ	کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا
مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّیۡطٰنِ	نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر
وَلِیًّا ۝ (مریم: ۴۲-۴۵)	رہیں۔

ان آیات میں یٰۤاَبَتِ (اے میرے ابا جان) ایک ایسا لفظ ہے جو پیار، محبت، اپنائیت اور

© rasailojaraid.com

ادب واحترام مترشح ہے وہ عربی زبان کا ذوق رکھنے والوں سے مخفی نہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"اس تقریر میں 'یا أبتِ' (اے میرے باپ) کی تکرار حضرت ابراہیمؑ کی دل سوزی، دردمندی اور استمالت کی دلیل ہے۔ ایک سعادت مند بیٹے کے اندر باپ کی گمراہی سے جو تعلق خاطر اور جو اضطراب ہونا چاہیئے وہ فقرے فقرے سے نمایاں ہے۔"[۱۹]

امام رازیؒ نے ان آیات پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان کے فنی محاسن آشکارا کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس کلام کی ترتیب میں انتہائی حسن پایا جاتا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنے باپ کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کیا جو بت پرستی کا باطل ہونا واضح کرتی ہیں۔ اس کے بعد غور وتدبر کرنے اور اندھی تقلید سے اجتناب کرنے کے معاملے میں اپنی اتباع کی دعوت دی۔ پھر بتایا کہ شیطان کی اطاعت عقلمندوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ آخر میں ایک ایسی وعید کا تذکرہ کیا جو انسان کو ناپسندیدہ کاموں سے روک دے۔

حضرت ابراہیم نے یہ باتیں لطف ومحبت کے پیرائے میں اور نرم لہجے میں کہیں۔ ان کا اپنی ہر بات کے شروع میں 'یا أبتِ' کہنا اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ انھیں اپنے باپ سے شدید محبت تھی اور وہ اسے سزائے الٰہی سے بچانے اور راہِ راست کی طرف لانے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ آخر میں انھوں نے فرمایا "إِنِّي أَخَافُ..." (مجھے ڈر ہے.....) اس سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے مفادات کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کا یہ باتیں کہنا متعدد وجوہ سے تھا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے باپ کے حقوق ادا کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ اور دین کی طرف رہنمائی سے بڑھ کر حسنِ سلوک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اگر اس کے ساتھ ادب و احترام بھی ملحوظ رکھا جائے اور بہت نرم لہجے میں یہ باتیں کہی جائیں تو یہ نُورٌ علیٰ نور ہے۔[۳۹]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس محبت، خیر خواہی اور دردمندی کا ان کے باپ کی جانب سے کیا جواب ملا؟ قرآن نے اس کو بھی بیان کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ان باتوں کو سن کر وہ بہت چراغ پا ہوا۔ ترش لہجے میں دھمکاتے ہوئے کہنے لگا:

اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ	ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھر
يٰاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ	گیا ہے، اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے
لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا	سنگ سار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ
(مریم: ۴۶)	کے لئے مجھ سے الگ ہو جا۔

'رجم' کے لغوی معنی سنگ سار کرنے، قتل کرنے کے آتے ہیں۔ استعارۃً اسے برا بھلا کہنے اور دھتکارنے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں اس سے دونوں معانی مراد لئے جا سکتے ہیں[۴۰]۔ 'ملیا' کی مفسرین نے دو[۴۱] توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے معنی ہیں طویل عرصہ یعنی 'تم ہمیشہ کے لئے میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ'، اس کے دوسرے معنی ہیں بچنا، محفوظ رہنا، یعنی اگر میری سزا سے بچنا چاہتے ہو تو میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ امام طبریؒ نے مؤخر الذکر معنی کو ترجیح دی ہے۔[۴۲]

پیار و محبت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جواب میں اپنے باپ کی سخت سست باتوں، ڈانٹ ڈپٹ غصہ اور دھتکار کا حضرت ابراہیمؑ نے برا نہ مانا۔ بلکہ اسی دل سوزی کے ساتھ اسے سمجھاتے رہے۔ بالآخر جب انھوں نے محسوس کر لیا کہ اس کی سخت روی اور سنگ دلی کی بنا پر اب مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں رہی تو اس سے علیحدگی اختیار کر لینے ہی کو بہتر سمجھا۔ مگر اس موقع پر بھی انھوں نے اپنے باپ پر واضح کر دیا کہ وہ اس کے گناہوں پر مغفرت اور اس کی ہدایت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے رہیں گے۔

انھوں نے اس سے رخصت ہوتے وقت فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ	سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے رب سے دعا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّاo (مریم: ۴۷)	کروں گا کہ آپ کو معاف کردے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے: "باپ کے اس سنگ دلانہ رویہ کے باوجود، حضرت ابراہیمؑ کا اس سے دعائے مغفرت کا وعدہ کرنا ان کی غایت درجہ دردمندی اور رقتِ قلب کی دلیل ہے"[۳۱]

سورۂ مریم کی درج بالا آیت میں صرف، مغفرت کی دعا کرنے کے وعدہ کا ذکر ہے۔ البتہ سورۂ ممتحنہ میں ہے کہ انھوں نے ساتھ ہی مزید یہ بھی فرمایا تھا:

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (الممتحنۃ: ۴)	اور اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کرلینا میرے بس میں نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اس وعدہ کو پوری طرح نبھایا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد ایک موقع پر جب انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے تو باپ کی مغفرت بھی چاہی:

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَo (الشعراء: ۸۶)	اور میرے باپ کو معاف کرے کہ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں ہے۔

مکہ آباد ہوجانے کے بعد ایک موقع پر انھوں نے جو دعا کی تھی اس میں اپنے باپ کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کی مغفرت بھی طلب کی تھی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُo (ابراھیم: ۴۱)	پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کردیجیو جب کہ حساب قائم ہوگا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے باپ سے علیحدگی اور وطن سے ہجرت کے بعد ایک طویل عرصہ تک وہ یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ وہ ہدایت یاب ہو اور اللہ کی رحمت و مغفرت اسے ڈھانپ لے۔ لیکن جب انھیں یقین ہوگیا کہ وہ رحمت الٰہی کا مستحق نہیں ہے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا بند کردی:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ	ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے جو دعائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا	مغفرت کی تھی وہ تو اس وعدے کی وجہ
اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ	سے تھی جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا۔
عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ	مگر جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ اس کا
(التوبة: ۱۱۴)	باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ پر کب اور کیسے واضح ہوا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے اس لئے اس کی مغفرت کا مستحق نہیں ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب تک وہ زندہ رہا حضرت ابراہیمؑ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے لیکن جب بحالتِ شرک اس کی موت کا انھیں علم ہو گیا تو استغفار سے رک گئے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ استغفار سے اسی وقت رکے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں خبر دی کہ اب اس پر حجت تمام ہو چکی ہے، وہ ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اس لئے اس کا پیچھا چھوڑ دو۔[۷۳]

۸۔ مہمان نوازی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے مہمان نواز تھے۔ بعض روایات میں مہمان نوازی کو ان کی اولیات میں شمار کیا گیا ہے: اول من قری الضیف[۷۴] اول من اضاف الضیف[۷۵] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مہمان کو اپنے ساتھ شریک کئے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات مہمان کی تلاش میں دو دو میل تک نکل جاتے تھے۔[۷۶] حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کے اثبات کے لئے ان روایات کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ خود قرآن نے ان کی مہمان نوازی کو بڑے دل کش انداز میں بیان کیا ہے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ	اے نبی۔ ابراہیم کے معزز مہمانوں کی
اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ o اِذْ	حکایت بھی تمہیں پہنچی ہے؟ جب وہ
دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا	اس کے یہاں آئے تو کہا آپ کو سلام
قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ o	ہے۔ اس نے کہا "آپ لوگوں کو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَرَاغَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۝ (الذاریات: ۲۴-۲۸)

سلام ہے۔ کچھ ناآشنا سے لوگ ہیں۔ پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لاکر مہمانوں کے آگے پیش کیا۔ اس نے کہا آپ حضرات کھاتے نہیں؟ پھر وہ اپنے دل میں ان سے ڈرا۔ انھوں نے کہا ڈریے نہیں اور اسے ایک ذی علم لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا۔

سورۂ ذاریات کے علاوہ یہ واقعہ سورۂ ہود (آیات: ۶۹-۷۰) اور سورہ حجر (آیات: ۵۱-۵۳) میں بھی مذکور ہے۔ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں انسانوں کے بھیس میں گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے انھیں اجنبی اور مسافر سمجھ کر ان کی خوب خاطر و مدارات کی۔ اسی لئے قرآن نے ان کے لئے 'ضیف ابراہیم (ابراہیم کے مہمان)' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ نیز ان کی صفت 'مکرمین' (معزز) بیان کی ہے۔ لفظ 'مکرمین' سے اشارہ اس آؤ بھگت، خیر مقدم، تواضع اور ضیافت کی طرف ہے جس کا اہتمام حضرت ابراہیمؑ نے ان مہمانوں کے لئے فرمایا تھا۔[۴۳] ان آیات سے جہاں ایک طرف یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے مہمانوں — خواہ وہ ان کے لئے اجنبی ہوں — کی کس قدر تواضع اور ان کے لئے کتنا اہتمام فرماتے تھے وہیں ان سے آدابِ ضیافت کا بھی علم ہوتا ہے۔ مفسرین نے ان آداب کی طرف اشارہ کیا ہے:[۴۴]

۱۔ مہمان خواہ کوئی بھی ہو اور کیسی بھی حیثیت کا مالک ہو، اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کرنا چاہیے۔ حضرت ابراہیمؑ بغیر یہ تحقیق کئے کہ یہ نو وارد کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیوں آئے ہیں؟ ان کی خاطر و مدارات میں جٹ گئے تھے۔

۲۔ سلام کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آنے والا اس میں پہل کرے اور مخاطب اس کا بہترین طریقے پر جواب دے۔ فرشتے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے سلام کیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کا جواب دیا۔ قرآن میں اس موقع کے جو الفاظ مذکور ہیں ان میں فرشتوں کا سلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصب کی حالت میں (سَلٰمًا) اور حضرت ابراہیمؑ کا جواب رفع کی حالت میں (سَلٰمٌ) ہے۔ علماے بیان نے لکھا ہے کہ محض اعراب بدل جانے سے حضرت ابراہیمؑ کے جواب میں زیادہ معنویت پیدا ہوگئی ہے اس لئے کہ رفع دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے[۵۹]

۳۔ مہمان کے لئے فوراً کچھ کھانے پینے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ممکن ہے دورانِ سفر اس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ مہمانوں کا استقبال کرنے کے بعد فوراً ہی ان کے لئے کھانے کے انتظامات میں لگ گئے تھے۔ سورہ ہود میں صراحت ہے: فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (پھر کچھ دیر نہ گذری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا — ان کی ضیافت کے لئے — لے آیا)۔

۴۔ پھر یہ کہ میزبان کو چاہیے کہ کھانے پینے کے انتظامات مہمان سے چھپا کر کرے۔ یہ بڑی بداخلاقی ہے کہ مہمان سے پوچھا جائے: "آپ کچھ کھائیں گے؟" اسی طرح یہ چیز بھی آدابِ ضیافت کے خلاف ہے کہ یہ انتظامات مہمان کو دکھا کر یا اس کے علم میں لا کر کئے جائیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں امکان ہے کہ مہمان تکلف کرتے ہوئے ایسا کرنے سے منع کر دے۔ قرآن کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مہمانوں کو بٹھا کر چپکے سے گھر کے اندر چلے گئے تھے تاکہ ان کے لئے کچھ کھانے کا انتظام کر سکیں۔

۵۔ یہ چیز مناسب نہیں کہ ہر وقت مہمان کے ساتھ چپکے رہا جائے اور اسے ایک لمحے کے لئے بھی تنہا نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ اسے موقع دینا چاہیے کہ وہ حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو سکے، منہ ہاتھ دھو کر یا غسل کر کے تر و تازہ ہو سکے اور کچھ دیر آرام کر سکے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی کچھ لمحے کے لئے مہمانوں کے پاس سے اٹھ گئے تھے۔

۶۔ میزبان کو چاہیے کہ مہمان کے لئے، اپنی حیثیت کے مطابق اچھے سے اچھا انتظام کرے۔ نو وارد حضرت ابراہیمؑ کے لئے اجنبی تھے مگر انھوں نے ان کی ضیافت کے لئے ایک بچھڑا ذبح کر دیا۔ قرآن نے ایک جگہ عِجْلٍ حَنِيْذٍ (ھود: ۶۹) اور دوسری جگہ عِجْلٍ سَمِيْنٍ (ذاریات: ۲۶) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عِجْلٍ سَمِيْنٍ سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کی ضیافت کے لئے اچھے سے اچھے جانور کا انتخاب کیا۔ اپنے ریوڑ میں سے دیکھ بھال کر خوب موٹا تازہ بچھڑا چھانٹا۔ حنیذ کے دو معانی آتے ہیں۔ ایک معنی ہے بھنا ہوا۔ دوسرے معنی میں حنیذ اس گوشت کو کہتے ہیں جس سے روغن ٹپک رہا ہو[۶۰] دونوں میں سے کوئی بھی معنی اختیار کیا جائے، مقصود یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے اچھے جانور کا انتخاب کیا اور اسے ذبح کر کے اور لذیذ کھانا تیار کر کے مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔

۷۔ میزبان کے کسی رویے سے یہ اظہار نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ مہمان کی خدمت کر کے اس پر کوئی احسان کر رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کر کے گذارش کے انداز میں فرمایا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ؟ (آپ حضرات کھاتے نہیں ہیں؟) انھوں نے کوئی حکمیہ جملہ نہیں کہا۔ یہ استفہامی انداز انھیں کھانے پر ابھارنے کے لئے تھا۔

۸۔ مہمان کے کھانے سے میزبان کو خوشی ہونی چاہیئے۔ یہ بخیلوں کا شیوہ ہے کہ وہ مہمانوں پر خرچ نہیں کرتے۔ اور اگر کبھی ان کے یہاں کوئی مہمان آجائے تو وہ تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مہمانوں کو نہ کھاتا دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ ڈر گئے تھے۔ انھوں نے تو اس قدر اہتمام ان کی ضیافتِ طبع ہی کے لئے کیا تھا۔

۹۔ ضیافت کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ میزبان مہمان کو اپنے کسی ملازم یا ماتحت کے حوالے کر کے مطمئن نہ ہو جائے بلکہ خود اس کی دیکھ بھال کرے۔

۹۔ حلم و بردباری

سیرتِ ابراہیمی کا ایک نمایاں پہلو حلم و بردباری ہے۔ حلم سے مراد یہ ہے کہ آدمی غیظ و غضب کے موقع پر اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھے اور کوئی شخص بدسلوکی کرے تو اس کے جواب میں صبر اور تحمل کا مظاہرہ کرے۔ حضرت ابراہیمؑ میں یہ صفت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ قرآن کریم میں دو مواقع پر حضرت ابراہیمؑ کے دیگر اوصاف کے ساتھ اس صفت کا تذکرہ موجود ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (التوبۃ: ۱۱۴)	حق یہ ہے کہ ابراہیم بڑا رقیق القلب و خداترس اور بردبار آدمی تھا۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (ھود: ۷۵)	حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات کے سیاق و سباق میں غور کرنے سے اس وصف کی معنویت مزید آشکارا ہوتی ہے۔

سورۂ توبہ میں اس کا تذکرہ اس موقع سے ہوا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک طویل عرصہ تک اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ گذشتہ صفحات میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت ابراہیم کی دعوت کے جواب میں ان کے باپ نے سخت برہمی اور درشتی کا مظاہرہ کیا۔ ان کو جھڑکیاں اور دھمکیاں دیں یہاں تک کہ ان کو گھر سے نکال کر دم لیا۔ مگر انھوں نے کسی طرح کا رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کی ڈانٹ ڈپٹ اور سخت سست باتوں کو برداشت کرتے رہے اور انتہائی دل سوزی اور پیار و محبت سے اسے راہ حق کی تلقین کرتے رہے۔ وطن سے ہجرت کرنے کے بعد بھی وہ اس کی ہدایت سے مایوس نہیں ہوئے اور ایک طویل عرصے تک اس کی مغفرت کی دعا کرتے رہے۔ یہ رویہ ان کی صفت حلم پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا موقع وہ تھا جب انھیں 'مہمان' بن کر آنے والے فرشتوں سے معلوم ہوا کہ اپنی نافرمانیوں، سرکشیوں اور بداعمالیوں کے سبب قوم لوط کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے۔ ایک ایسی قوم جو مسلسل بداعمالیوں کے سبب ہلاکت کی مستحق ہو چکی ہو، اس کی ہلاکت کی خبر کچھ باعثِ حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا جذبۂ حلم انھیں اس خبر پر بے چین کر دیتا ہے۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں دستِ بدعا ہو جاتے ہیں کہ: بارالٰہا اس قوم کو کچھ اور مہلت عمل دے دے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنا رویہ درست کر لیں۔ بائیبل میں اس موقع پر کچھ تفصیل مذکور ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیمؑ نے بار بار اللہ تعالیٰ کی جناب میں درخواست کی کہ اگر ان میں کچھ بھی راست باز بندے ہوں تو ان کی خاطر پوری قوم سے عذاب کو ٹال دے[۳۵]۔ قرآن نے اس موقع کی بڑی بلیغ منظر کشی کی ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ	پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور
وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا	اسے (اولاد کی) بشارت مل گئی تو اس نے
فِي قَوْمِ لُوطٍ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ	قوم لوط کے معاملے میں ہم سے جھگڑا شروع
لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ يَا	کیا۔ حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور
إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا	نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝ (ھود: ۷۴-۷۶)

طرف رجوع کرتا تھا) آخر کار ہمارے فرشتوں نے اس سے کہا) اے ابراہیم اس سے باز آجاؤ، تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور ان لوگوں پر وہ عذاب آکر رہے گا جو کسی کے پھیرے سے نہیں پھر سکتا۔

مولانا مودودیؒ نے ان آیات کی تشریح میں لکھا ہے:

"جھگڑے" کا لفظ اس موقع پر اس انتہائی محبت اور ناز کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اپنے خدا کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس لفظ سے یہ تصویر آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان بڑی دیر تک ردّ وکدّ جاری رہتی ہے۔ بندہ اصرار کر رہا ہے کہ کسی طرح قوم لوط پر سے عذاب ٹال دیا جائے۔ خدا جواب دے رہا ہے کہ یہ قوم اب خیر سے بالکل خالی ہو چکی ہے اور اس کے جرائم اس حد سے گذر چکے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی رعایت کی جاسکے۔ مگر بندہ پھر بھی یہی کہے جاتا ہے کہ پروردگار اگر کچھ تھوڑی سی بھلائی بھی اس میں باقی ہو تو اسے اور ذرا مہلت دیدے۔ شاید کہ وہ بھلائی پھل لے آئے۔ بائبل میں اس جھگڑے کی کچھ تشریح بھی بیان ہوئی ہے۔ لیکن قرآن کا مجمل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنوی وسعت رکھتا ہے۔[۵۴]

حضرت ابراہیمؑ کے حلم اور بردباری کی مظہر ان کی وہ دعا بھی ہے جو انھوں نے اپنی ذریت کے بارے میں، اللہ تعالیٰ سے کی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے:

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (ابراھیم: ۳۶)

جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگذر کرنے والا مہربان ہے۔

یہ دعا ان کی کمال درجہ نرم دلی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ کہنے میں کوئی حرج نہ تھا کہ "جو میری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نافرمانی کرے گا وہ آخرت میں اپنے برے انجام کو پہنچے گا" لیکن ان کی زبان پر یہ جملہ نہ آسکا بلکہ اس موقع پر بھی انھوں نے یہی عرض کیا کہ اے اللہ تیری رحمت سے کچھ بعید نہیں۔ تو چاہے تو ایسے شامت کے ماروں سے بھی درگذر کرسکتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے:

"یہ حضرت ابراہیمؑ کی کمال درجہ نرم دلی اور نوع انسانی کے حال پر ان کی انتہائی شفقت ہے کہ وہ کسی حال میں بھی انسان کو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ آخر وقت تک عفو ودرگذر کی التجا کرتے رہتے ہیں۔ رزق کے معاملے میں تو انھوں نے یہاں تک کہہ دینے میں دریغ نہ فرمایا کہ: وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرۃ: ۱۲۶) اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے) لیکن جہاں آخرت کی پکڑ کا سوال آیا۔ وہاں ان کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ جو میرے طریقے کے خلاف چلے اسے سزا دے ڈالیو۔ بلکہ کہا تو یہ کہا کہ ان کے معاملہ میں کیا عرض کروں۔ تو غفور رحیم ہے"[۵۵]

۱۰۔ صداقت شعاری

قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کی ایک صفت صداقت شعاری اور راست بازی بیان کی گئی ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرٰهِيْمَ	اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ
اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔	بیان کرو بے شک وہ ایک راست
(مریم: ۴۱)	باز انسان اور ایک نبی تھا۔

"صدیق" کے مفسرین نے تین مفہوم بتائے ہیں۔ اس کا ایک مفہوم حق کی تصدیق کرنے والا[۵۶] اور دوسرا مفہوم آزمائشوں میں پورا اترنے والا ہے۔[۵۷] اسی مؤخر الذکر مفہوم میں سورۂ صافات میں قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا آیت: ۱۰۵ (تو نے خواب سچ کر دکھایا) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا تیسرا مفہوم جسے اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔[۵۸] صداقت شعار اور راست باز کے ہیں۔ صدیق مبالغہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ شخص جو ہمیشہ سچ بولتا ہو، کبھی اس کے منہ سے کوئی جھوٹی بات نہ سنی گئی ہو۔ حضرت ابراہیم کے لئے آنے والی اس صفت میں بڑی معنویت پائی جاتی ہے۔ ان کی حیاتِ طیبہ کے بعض واقعات میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خلافِ واقعہ بات کہہ کر جھوٹ بولا۔ قرآن کا مذکورہ بیان اس کی قطعی تردید کے لئے کافی ہے۔

بعض احادیث میں حضرت ابراہیمؑ کی ان باتوں کو "جھوٹ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

لم یکذب ابرھیم الا ثلاثا[۵۹] — حضرت ابراہیم کبھی جھوٹ نہیں بولے سوائے تین موقعوں کے

اس مضمون کی احادیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ مستدرک حاکم، معجم طبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند ابوعوانہ اور حدیث کی دیگر کتابوں میں مروی ہیں ان کے سلسلہ میں علماء نے دو موقف اختیار کئے ہیں۔

۱۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عربی زبان میں کذب ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو دیکھنے میں خلافِ واقعہ معلوم ہو۔ اس کا اطلاق جس طرح جھوٹ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح توریہ پر بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی وہ باتیں توریہ کے قبیل سے ہیں۔ اور توریہ اختیار کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ متقدمین میں حافظ ابن حجرؒ اور متاخرین میں مولانا امین احسن اصلاحی نے یہ تاویل اختیار کی ہے[۶۰]

۲۔ بعض دیگر علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ روایات اگرچہ سنداً صحیح ہیں لیکن درایت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ راویوں کو جھوٹا قرار دینا جس قدر مشکل ہے اس سے بدرجہا مشکل یہ باور کرنا ہے کہ ایک نبی نے جھوٹ بولا ہوگا۔ ضرور کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ایک بات غلط صورت میں نقل ہوگئی ہے۔ متقدمین میں امام رازیؒ نے اور متاخرین میں مولانا مودودیؒ نے یہ توجیہ کی ہے[۶۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کے یہ چند اہم اوصاف اور نمایاں خصوصیات ہیں جن کا مطالعہ گذشتہ صفحات میں پیش کیا گیا۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا 'خلیل' بنایا۔ ان پر اپنے انعام واکرام کی بارش کی، اور انھیں متعدد امتیازات سے نوازا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہمارے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے جسے اختیار کرکے ہم بھی خوشنودیٔ رب سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

حواشی و مراجع

۱ مزید دیکھئے: الزخرف: ۲۶-۲۷ ۲ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل القرآن (تفسیر طبری) المطبعۃ الکبریٰ، مصر ۱۳۲۸ھ، ۱۴۱/۷۔ فخرالدین محمد الرازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) المطبعۃ العامرہ مصر ۱۳۰۸ھ، ۱۲۶/۶۔ ۳ تفسیر طبری، حوالہ سابق۔ عمادالدین اسماعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر ۱۳۵۷ھ، ۱۸۱/۳

۴ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر ۵۷۵/۲۔ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بالخازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) مطبعۃ التقدم العلمیہ، مصر ۲۴۱/۴، ابو محمد الحسین الفراء البغوی، معالم التنزیل (تفسیر بغوی) برحاشیہ تفسیر خازن، حوالہ سابق۔ شہاب الدین الآلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، جز ۱۷، ص ۵۸

۵ دیکھئے تفسیر کبیر حوالہ سابق ۶ کشاف، حوالہ سابق ۳۴۴/۳ نیز دیکھئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (تفہیم القرآن) مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۷۳ء طبع چہارم۔ ۲۹۲/۴

۷ تفسیر کبیر ۱۴۴/۷ ۸ تفسیر طبری، ۳۴۴/۲۳، تفسیر ابن کثیر ۱۲/۴۔

۹ تفسیر کبیر ۵۱۸/۱، تفسیر طبری (جدید ایڈیشن) دارالمعارف مصر ۱۹۶۹ء، ۱۰۴/۳۔ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری لسان العرب، دارصادر، بیروت ۱۹۵۵ء، ۵۷/۹، مادہ 'حنف'

۱۰ تفسیر ابن کثیر، ۵۵۹/۱، نیز دیکھئے: ابوالقاسم الحسین بن محمد الفضل، الراغب الاصفہانی المفردات فی غریب القرآن، المطبعۃ المیمنیہ، مصر ۱۳۲۴ھ، ص ۱۳۳

۱۱ تفسیر طبری (جدید) ۵۱۰/۲-۵۱۱، الکشاف ۳۱۱/۱، تفسیر کبیر ۱۵۳/۷

۱۲ ابومحمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء، ۲۴۹/۱

۱۳ مفردات اصفہانی، ص ۲۴۰، مادہ سلم ۱۴ کتاب پیدائش، باب ۱۲، ۱-۴

۱۵ کتاب پیدائش باب ۲۲، ۱۶-۱۸ ۱۶ برناباس کی انجیل، اردو ترجمہ: آسی ضیائی، مرکزی مکتبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی دہلی ۱۹۸۲ء، طبع اول، ص ۸۲-۸۳ ۱۷ تفسیر ابن کثیر، ۲/۵۹۱، تفسیر کبیر، ۵/۳۷۲۔

۱۸ مفردات اصفہانی، ص ۴۲۴، مادہ 'قنت' ۱۹ تفسیر ابن کثیر، ۲/۵۹۱

۲۰ الامام عبدالحمید الفراہی، التکمیل فی اصول التاویل، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۳۸۸ھ ص ۵۹ نیز دیکھئے احمد حسن فرحات مقالہ: 'لفظ امۃ کی تحقیق'، ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی، ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۶ء ۲۱ تفسیر ابن کثیر، ۱/۵۵۹۔ مزید دیکھئے تفسیر کبیر، ۱/۴۹۲۔

۲۲ تفسیر کبیر، ۱/۵۰۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۹۷۶ء، طبع سوم۔ ۱/۲۹۳، ۲۳ مفردات اصفہانی، ص ۵۲۸ ۲۴ تفسیر کبیر، ۵/۳۷۲۔

۲۵ تدبر قرآن ۱/۲۹۳ ۲۶ مثلاً دیکھئے: البقرۃ: ۱۸۶، مومن: ۶۰

۲۷ تفسیر طبری (جدید) ۱۴/۵۳۱-۵۳۲ ۲۸ تفسیر طبری ۱۴/۵۲۳ ۲۹ تفسیر طبری، ۱۴/۵۳۲

۳۰ تفسیر ابن کثیر، ۳/۲۳۸ ۳۱ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ۔۔۔ والی دعا حضرت اسماعیلؑ کو بے آب وگیاہ وادی میں آباد کرتے وقت کی تھی۔ اُس وقت مکہ آباد نہیں ہوا تھا۔ اس صورت میں یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ دعا، کا یہ جز، مکہ آباد ہونے سے پہلے کا ہے اور بقیہ جز، اس کے آباد ہو جانے کے بعد کا ہے۔ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دعا کا اتنا حصہ حضرت اسماعیل کو وادی میں آباد کرتے وقت کا ہو اور بعد میں مکمل دعا مکہ آباد ہو جانے کے بعد مانگی ہو۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر، ۲/۵۴۱، تفسیر کبیر ۵/۲۵۴ ۳۲ تفسیر کبیر، حوالہ سابقہ ۶/۴۱۵

۳۳ مولانا اصلاحی سے گننے میں تسامح ہوا ہے۔ اس دعا میں 'ربنا' پانچ مرتبہ اور "رب" تین مرتبہ آیا ہے۔ کل آٹھ مرتبہ

۳۴ تدبر قرآن ۳/۵۸۰ ۳۵ تدبر قرآن ۱/۲۹۴ ۳۶ تفسیر ابن کثیر ۲/۵۴۰۔

۳۷ کتاب پیدائش باب ۱۷، ۱-۲ ۳۸ ایضاً باب ۱۷، ۱۵-۱۷ ۳۹ تدبر قرآن ۴/۱۱۴

۴۰ تفسیر کبیر، ۵/۵۶۲ ۴۱ مفردات اصفہانی، ص ۱۸۹، مادہ 'رجم' ۴۲ تفسیر طبری ۱۶/۶۱۔

۴۳ تدبر قرآن ۴/۱۱۶ ۴۴ تفسیر طبری ۱۴/۵۲۳۔ تفسیر کبیر، ۴/۵۲۷، تدبر قرآن ۳/۲۴۴

۴۵ ابو الفدا، اسماعیل بن کثیر الدمشقی، البدایۃ والنہایۃ، دار الریان للتراث مصر ۱۹۸۸ء طبع اول ۱/۱۶۳

۴۶ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم النیساپوری المعروف بالثعلبی، قصص الانبیاء، دار احیاء الکتب العربیۃ سنہ ندارد ص ۸۷ ۴۷ ایضاً ص ۱۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۸ تفسیر کبیر ۷/۱۴۱، کشاف ۴/۱۸، تدبر قرآن ۶/۶۰۶۔

۴۹ دیکھئے تفسیر کبیر ۷/۴۳-۴۴، تفسیر ابن کثیر ۳/۲۳۵، کشاف ۳/۱۸

۵۰ تفسیر ابن کثیر ۲/۱۵۴، ۳/۲۳۵، تفسیر کبیر ۷/۴۲، مفردات اصفہانی ص: ۲۳۹۔

۵۱ کشاف ۲/۲۸۰، تفسیر کبیر ۵/۷۵، لسان العرب ۳/۴۸۴، مفردات اصفہانی ص ۱۳۳

۵۲ مفردات اصفہانی ص ۱۲۸، کشاف ۲/۲۸۲ ۵۳ دیکھئے کتاب پیدائش باب ۱۸، ۲۳-۳۲

۵۴ تفہیم القرآن ۲/۳۵۵ ۵۵ تفہیم القرآن ۲/۳۸۹

۵۶ تفسیر کبیر ۵/۶۰ ۵۷ تدبر قرآن ۴/۱۱۴

۵۸ دیکھئے تفسیر طبری ۱۲/۵۹، کشاف ۲/۵۱۰، تفسیر کبیر ۵/۶۰

۵۹ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا

۶۰ الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری دار المعرفہ، بیروت سنہ ندارد ۶/۳۹۱-۳۹۲، تدبر قرآن ۴/۳۰۰-۳۰۱

۶۱ تفسیر کبیر ۶/۱۲۹، تفہیم القرآن ۳/۱۶۷-۱۶۸، رسائل و مسائل، مولانا مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، طبع ششم ۱۹۸۷، ۲/۲۲-۳۶۔

ایجنسی کی صورتیں

ششماہی علوم القرآن ایک علمی و دینی رسالہ ہے
اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لینا کار خیر ہے

۱۔ ششماہی علوم القرآن کی کم از کم پانچ کاپیاں لینے پر ایجنسی دی جاتی ہے۔

۲۔ پانچ سے بیس کاپی تک ۲۵ فیصد، ۲۰ سے ۳۰ کاپیوں تک ۳۰ فیصد اور ۳۰ سے زائد کاپیاں خریدنے پر ۳۳ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے۔

۳۔ مطلوبہ کاپیاں بذریعہ وی۔ پی روانہ کی جاتی ہیں اور پیکنگ و ڈاک اخراجات ادارہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

۴۔ مطلوبہ کاپیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے ادارہ کو پیشگی اطلاع دینا ضروری ہے

© rasailojaraid.com